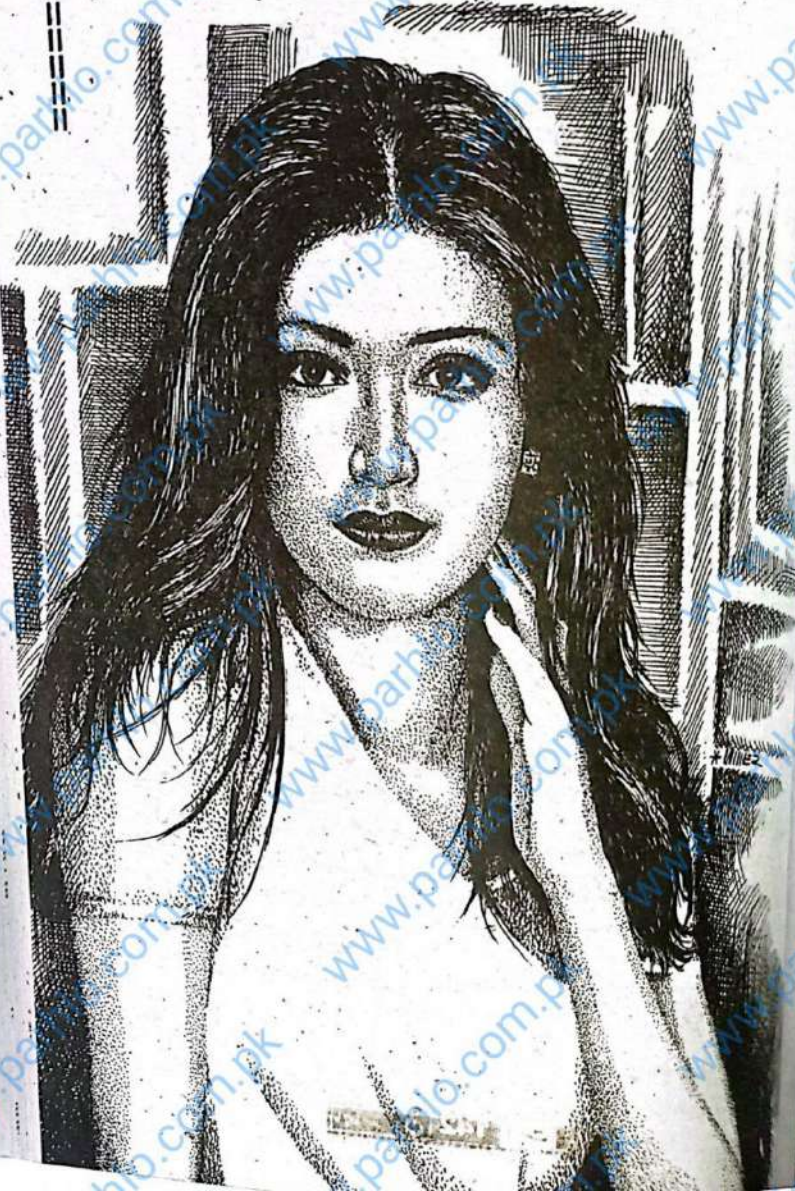


راشدہ رفعت

حکیمت عکالی



دے۔ میرے کہنے پر اچھا ایک نہیں ہمارا ہیں۔
 نے منہ ہلا کر گھڑو کیا۔
 اس شکوے پر شائستہ ایک بلہا کو خاموش کر
 گئیں۔ انہوں نے بیٹے اور بیٹی میں کسی فرق نہ کیا
 تھا۔ وہ منصفی امتیاز کی قائل ہی نہیں تھیں۔ بس کھانے
 کے معاملے میں بیٹے کی فرمائش پوری کر دیتی تھیں
 اور بیٹی کو نظر انداز کرتے تو اس کے پیش نظر بھی بیٹی کا
 بھلا تھا۔ بیٹی کو آگے جا کر کسی بھی ماحول میں
 ایڈجسٹ ہونے میں دشواری نہ ہوانا کا خیال نظر
 صرف یہ ہی تھا۔ لیکن اب سنا کچھ دار پوری کی وہ
 اپنا چھوٹے بھائی سے موازنہ کرنے لگی تھی اور شائستہ
 ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ وہ کسی بھی قسم کے احساس
 کمتری میں مبتلا ہو۔
 ”اچھا یوں کرتے ہیں، میں تمہیں آلو کو بھی کا
 خستہ سا پراٹھا بنا دیتی ہوں۔ تمہیں روٹی کے ساتھ
 گوہی کا سالن اچھا نہیں لگتا تا دیکھتا پراٹھا ستا کر
 کابنے گا۔“ انہوں نے درمیانی راستہ نکالا۔
 ”اور کیا آپ! آلو کو بھی کھا کر تو انسان باور
 بنتا ہے۔ میں تو کہہ لے اس لیے نہیں کھاتا کیونکہ وہ
 کڑوے ہوتے ہیں۔“ شائستہ سے منبر پر چھوٹے نے
 نے بھی بہت مدبرانہ کرہن کو سمجھایا۔
 ”تو میرے حصے آلو کو بھی کھاتی تھی تم کھالیا کر
 ناں چھوٹو، اچھا ہے تم حزیہ پاوٹل بن جاؤ گے۔ تا
 نے چھوٹے بھائی کے چھوٹے چھوٹے گالوں کو بھار
 سے کھینچے ہوئے کہا۔
 ”یہ غنیمت تھا کہ دونوں بہن بھائی ایک
 دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ شائستہ اپنے
 دونوں بچوں پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے تھے
 لیے پراٹھا بنانے بہن کی طرف بڑھ گئیں۔
 ☆☆☆
 شائستہ کے شوہر اجمل ”بیچے دو ہی اچھے کے
 فارمولے“ پر یقین رکھنے والے شخص تھے۔ شائستہ کی
 خواہش تھی کہ حنا، بہن یا نیپو کے بھائی کو ہم دے کر
 وہ کم از کم ایک جوڑی تو مکمل کر دیں۔ بہن، بہن کے

”اکی پلیر میرے لیے آلیٹ بنا دیں۔ میں
 آلو کو بھی کھانے کھانے کی۔“ شائستہ نے بھرے لہجے
 میں ماں کو مخاطب کیا۔
 وہ پانچویں صافیت کی طالبہ تھی ہرگز بھی ضدی
 یا بدتمیز نہیں تھی بس کھانے پینے کے معاملے
 میں مخصوص پسند، نا پسند تھی۔ سبزیوں میں آلو کو بھی
 اس کے صفت سے نہ اترتی تھی۔ لیکن شائستہ کو بیٹی کی
 پسند نا پسند سے کوئی سروکار نہ تھا وہ اس کے لیے بھی
 کچھ اگ سے بنانے کا تردد نہ کرتیں۔ دادی بے
 چاری کوئی لاڈلی پوتی پر ترس آ جاتا۔
 ”اے شائستہ! بیٹی کو تو دے ناں انداز نہ
 بھوک ہی ہو جائے گی۔“
 ”ناہاں! میں ماں ہوں اس کی مجھے کم پیاری تو
 نہیں یہ، لیکن میں اس کی عادتیں بگاڑنا نہیں چاہتی
 نرکیوں نے کل کو اگلے گھر بھی جانا ہوتا ہے انہیں ہر
 طرح کے کھانے کی عادت ہونی چاہیے ورنہ بعد میں
 بڑی تک ہوتی ہیں۔“ شائستہ نے رسائی بھرے
 لہجے میں ماس کو جواب دیا تھا۔
 ان کے پیش نظر ان کا اپنا تجربہ تھا۔ یکے میں
 گوشت کے علاوہ کھانے کا کوئی تصور نہ تھا۔ ٹنڈے،
 بھنڈی کدو اور ادوی جیسی سبزیوں بھی ہمیشہ گوشت
 کے ساتھ بنائی جاتیں۔ اور سسرال میں جب کدو
 گوشت اور ادوی گوشت کے بجائے محض کدو کی
 ترکاری اور شوربے والا ادوی کا سالن کھانا پڑا تو
 انہیں حتی مشکل سے ایسا کھانا کھانے کی عادت پڑی
 تھی۔ پہلے پہل تو وہ دو چار والے لے کر اٹھ جاتیں
 لیکن سسرال شہت خالی پیٹ بھی تو نہ بھنگائی جاسکتی
 تھی سو آہستہ آہستہ انہوں نے دستیاب کھانے سے
 ہی پیٹ بھرنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اب حنا کو مخصوص کھانوں
 کا عادی نہ بنانا چاہتی تھیں لیکن بیٹی جیسے بڑی ہو
 رہی تھی ان کے اس رویے سے شامی ہوتی جا رہی
 تھی۔
 ”کل نیپو نے کر لیے کھانے سے انکار کر دیا تھا
 تو آپ نے فوراً فریزر میں سے دو کباب نکال کر کھل

ماں کو دیکھتے تھے تو بھائی، بھائی کا سہارا ہوتا ہے
 لیکن اجمل نے اس معاملے میں بیٹی کو چھوڑا
 تھا۔ بیٹی کی بیٹی تھی۔ اور اب بچے بڑے ہونے کے بعد
 بیٹی کی بیٹی بھی اپنی اس خواہش سے دستبردار کی اعتبار
 کر چکی تھی۔ اب ان کی ساری توجہ حنا اور نیپو کی تعلیم و
 تربیت پر مرکوز تھی۔ دونوں بچے ہی پر حالی میں اچھے
 تھے۔
 وقت اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ حنا کے
 سسرال کا پہلا سال تھا تو نیپو کا لاہور کی انجینئرنگ یونی
 ورسٹی میں داخلہ ہو گیا۔ بہاؤ پور اور لاہور میں چند
 مہینوں کی مسافت کے باوجود سب گھر والے نیپو
 کے دور جانے پر بہت رنجیدہ تھے مگر معاملہ چونکہ اس
 کے روشن مستقبل کا تھا سو عارضی جدائی کا یہ کڑوا
 محنت جیتا پڑا۔
 ماں کے لاڈلے اور آپا کے دلارے کو جب
 پہل لائف بھگت پڑی تو اس کے صحت معنوں میں
 جودہ ملحق روشن ہو گئے۔ شائستہ نے بیٹے کو بہت تازو
 قم میں پالا تھا۔ وہ بیٹے کی فرمائش پر اسے اس کا من
 پسند ہی کھلاتی تھیں، اب جب نیپو کو ہاسٹل میں کے
 کچھ بیٹے کھانے پڑے تو وہ اتنا تنگ آیا کہ ایک دو
 بار تو انجینئرنگ کی ڈگری چھوڑ چھاڑ کر واپس بہاؤ پور
 جا کر وہاں یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی سوچنے لگا۔
 لیکن پھر خستہ دل سے اس آپشن پر غور کیا تو یہ زری
 حماقت لگی۔ لوگ جس یونیورسٹی میں داخلے کے لیے
 ایڑی چوبی کا زور لگاتے ہیں وہ اپنی ذہانت کی بنا پر
 وہاں سونی صدر میٹ پر منتخب ہوا تھا ماں، باپ کے
 خوب کو ادھر اچھوڑ کر جانے کی حماقت کسے کرتا۔
 آہستہ آہستہ اس نے وہ ہی کھانا زہر مار کر ناسیکھ لیا۔
 اس کے روم میں کھاتے بیٹے گھرانوں سے
 تعلق رکھتے تھے۔ اکثر ہونٹنگ کرتے اسے بھی ساتھ
 ملنے کا کہتے مگر اسے بخوبی احساس تھا کہ اس کے سفید
 پوش والدین اس مہنگی پڑھائی کا بوجھ ہی بہت سچا
 تان کر کے اٹھا رہے ہیں وہ جب خرچ بڑھانے کا
 مطالبہ کرے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ کرنے کا

تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن بہاؤ پور جاتا تو اس کی
 شکل کو کچھ پریشان ہو جاتا تھا۔
 ”کیا ہاسٹل فائے کھانے کو نہیں دیتے؟“ وہ
 پریشان ہو کر استفسار کرتی تھی۔
 ”نہیں تین الٹی۔ شور بے حد کرتے آلو
 بھینڈیاں، ہاں آلو گوشت اور ماش کی دال حراے کی
 ہوتی ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہاں کو بتایا۔
 چھیناں گزار کر جب اس نے واپسی کے لیے
 رخت سنبڑھا تو اس نے کھانے پینے کی بہت سی
 سوچا تھی بھی ہمراہ کروں جو اس کے چورے دم
 مینش دونوں میں ہی جٹ کر گئے۔ اکی بار اس نے
 ماں کو یہ تردد کرنے سے منع کر دیا۔
 ”آپ کی محنت اور جبر سب ضائع جاتا ہے
 ائی۔ میرے دوست میرے لیے کچھ نہیں چھوڑتے،
 حراے لے لے کر سب کچھ خود ہرپ کر جاتے
 ہیں۔“ شائستہ دل سوس کر رہ گئی۔
 ☆☆☆
 نیپو کی پڑھائی کا آخری سال تھا جب حنا کی
 شادی ہوئی۔ وہ اجمل کے چچا زاد بھائی کی بیوی
 تھی۔ سسرال قریب ہی تھا لیکن اس کے بغیر گھر
 بالکل سونا ہو گیا۔ دادی اپنی لاڈلی کی رخصتی کے بعد
 فقط دو ماہ ہی پائیں اور دادی کے بعد اجمل بیٹی اور
 ماں کو یاد کر کے آہیں بھرے رہے۔ جاہر تیسرے،
 چوتھے دن ماں باپ کے ہاتھ پر لگی لیکن ایک
 دو گھنٹے بعد واپسی کی راہ لی۔ گھر رو بارہ سناٹا چھا
 جاتا۔
 ”اسی لیے کہتی تھی اجمل صاحب، کم از کم تین
 بچے تو ہونے دے تو گھر ایسا کٹ کھانے کو نہ
 دوڑتا۔“ شائستہ شوہر کو جانتی تھی۔
 ”نیک بخت کیا! گارٹی ہے کہ تیرا بچہ ہمارے
 ساتھ ہوتا۔ لڑکا ہوتا تو بھائی کی کس قدر پڑھائی کی
 خاطر ہاسٹل میں ہوتا بیٹی ہوتی تو اس کی رخصتی کے

دن بھی قریب ہوتے۔ "اجل ٹھنڈا سانس بھر کر کہتے۔ "تو دنیا کی بیٹیوں کی رخصتی ہوتی ہے آپ نے تو زیادہ ہی دل لیا۔" وہ شوہر کو سمجھا نہیں۔ "پتا نہیں بیکم، اب دل میں بہت بے کلمی سی چھائی رہی ہے۔ لگتا ہے اب اپنی رخصتی کے دن بھی قریب ہیں۔"

"اللہ کا نام لیں اجل صاحب، کیوں دل دہلاتے ہیں؟" شائستہ انہیں غصے سے ٹھونکتی۔ لیکن خدشہ شوہر کے دل کا ہی سچا ہوا۔ معمولی سا روڈ ایکسڈینٹ تھا مگر چوٹ بھی معمولی تھی لیکن دور دروز کی لے ہوئی کے بعد مہر والوں کو ذائقہ جدائی کا صدمہ دے کر اجل زندگی کی بازی ہار گئے تھے۔ شائستہ پر تو جیسے غول کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ زندگی کا ساتھ اس عمر میں جب انہیں اس کے ساتھ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی یوں منہ موڑ جائے گا، یہ تو انہوں نے خواب میں بھی نہ سوجا تھا۔ بچہ اور حنا پہاڑ جیسا غم برداشت کرتے ہوئے ماں کو سنبھالنے کی جگہ دوڑیں لگے ہوئے تھے۔

بچہ کے ہاتھ میں ڈگری آچکی تھی لیکن آبائی شہر میں ملازمت کے مواقع نہ ہونے کے برابر تھے اسے لاہور میں ہی نوکری ملے گی۔ پڑھائی کے اختتام اور نئی نوکری کو جوائن کرنے کے درمیانی وقفے کے چار، چھ ماہ اس نے ضرور ماں کے پاس گزارے پھر دوبارہ لاہور کے لیے رخت ستر باندھ لیا۔ اب شائستہ کو اس کا گھر بسانے کی جلدی تھی۔

"بلیئر ای! اچھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے کچھ وقت تو دیں۔ یہ نوکری بہت اچھی تھی لیکن میری منزل نہیں ہے، میں نے ابھی بہت آگے جانا ہے۔"

"اللہ تمہارے سارے خواب پورے کرنے میرے بچے، لیکن اپنی ماں کا یہ خواب پورا ہو لینے دو۔ تمہارے ابو تمہاری خوشی دیکھے بغیر دنیا سے منہ موڑ گئے ان کے بعد مجھے خود یہ زندگی بھٹی بے ثبات

اور نا پائیدار لگنے لگی ہے تم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ میں چاہتی ہوں جیتے جی تمہارے سر پر ہر سہارا دیکھ لوں۔"

شائستہ کی خواہش پر فرمایا دار بیٹے نے سر جھپٹ کر دیا۔ انہوں نے بچہ کو پسند کی لڑکی سے شادی کا اختیار دیا تھا لیکن وہ ماں کی بات سن کر جینے پر کمر بستہ پڑا تھا۔

"آپ نے شرافت کی جو کھٹی دے کر لاہور بھیجا تھا ناں امی۔ اس کے نتیجے میں میں نے اتنی شرافت والی زندگی بسر کی ہے تاکہ میں سیکڑوں کے ساتھ ساتھ جو نیرز کا بھی بیٹو بھائی بن کر رہ سکوں۔ شائستہ نے محبت بھری مسکراتی نگاہ خود دیکھنے کے چہرے پر ڈالی۔

بچہ کے لیے انہوں نے اپنی خالہ زاد بہن کی بیٹی کو منتخب کیا تھا۔ عقیلہ باپ کی شجاع آباد میں رہتی تھیں۔ خود بھی سرکاری اسکول کی اسٹانی تھیں اور شوہر بھی محکمہ مدرسے سے وابستہ تھے۔ ان کے باپ بچوں میں اسی سب سے چھوٹی تھی۔ مہمان کی پونہ درستی سے فزکس میں ماسٹر زکر رکھا تھا اور اب ایم فل کی ڈگری لینے کے قریب تھی۔ عقیلہ باپ کی بیٹی تھی۔ بچوں کی تربیت بہت ہی اچھے ذہب پر کی گئی تھی۔ بچہ نے بھی خاندانی فنکشنز پر اسے دو چار بار دیکھ رکھا تھا۔ اس نے ماں کی پسند پر بخوشی سر جھکا دیا۔

☆☆☆

لائبہ رخصت ہو کر سسرال آئی تو شائستہ نے ڈیڑھ دو ماہ اس کے خوب لاڈ اٹھا کر اسے بچہ کے سنگ لاہور بھیج دیا۔

"شادی کے بعد بھی میرا بیٹا بازاری کھانے کھائے اور لاہور بہاؤ لیور کے چکر ہی کا شکار ہے تو کیا فائدہ ایسی شادی کا۔ خیر سے لاہور جاؤ اور اپنی عمر گزرتی کا آغاز کرو۔" انہوں نے پیار سے بیٹے، ابو کو مخاطب کیا۔

"آپ میرے ساتھ جانے پر ہامی بھریں اب ہی میں لائبہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ آپ کو اگلے

ماں سے چھوڑوں۔" بچہ خند پر اتر آیا۔

ماں ایسی کہانی کہیں ہوں۔ آس پڑوس والے سہنے اچھے ہیں۔ حنا بھی اب تو روز کے روز چکر لگاتی ہے۔ میرا یہاں خوب دل لگا ہوا ہے اور میں نے تمہارے پاس آنے سے انکار کب کیا ہے جا کر اپنا گھر گھٹ کر دو۔ کرائے کا ہے تو کیا ہوا۔ اب بیوی لپٹا کر جا رہی ہے تو دیکھنا کسے مکان سے گھر بن جائے گا پھر میں بھی چکر لگاؤں گی۔" انہوں نے بہلا کر بچے کو بھیج کر ہی دم لیا۔

اس گھر میں ان کے شوہر کی یادیں بسی تھیں وہ خود میں یہ گھر چھوڑنے کی ہمت نہ پاتی تھیں پھر اب دو دفعت کھٹ سے نو اسوں کی نانی بھی تو تھیں جو روز بانی سے لاڈ اٹھوانے پہنچ جاتے تھے، ان سے دور جا کر شائستہ کا دل کیسے لگتا۔

بچہ بھی لاہور چند ماہ ہی رہ پایا تھا پھر روزگار کا چکر اسے گھم چکا لے گیا۔ وہاں نوکری زیادہ اچھی تھی۔ تنخواہ بھی پرکشش تھی۔ لائبہ وہاں ایک اچھی ساکھ والی پرائیویٹ یونیورسٹی میں پیچھرار تھیات ہو گئی۔

اللہ نے لائبہ اور بچہ کو یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ شائستہ دو چار ماہ بیٹا بھوکے پاس گزارتیں پھر گھر اور بیٹی کی بادرستی تو واپس بہاؤ لیور کا رخ کرتیں۔ بچہ نے ماں کی دیکھ بھال کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کیا ہوا تھا جو شائستہ کے کراچی ہونے کی صورت میں بھی گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ شائستہ سعادت مند اولاد کو ہر گھڑی دعاؤں سے نوازتی۔ نو اسوں، پوتے اور پوتیوں کی صورت میں رب نے ان کی بھولی میں ہر نعمت ڈال دی تھی۔ لیکن اب جانے کیوں کچھ دنوں سے انہیں مرحوم شوہر کی یاد بے طرح ستانے لگی تھی۔

"شاید تمہارے ابو کا وہاں جی نہیں لگ رہا۔ تین راتوں سے مجھے متواتر خواب میں نظر آ رہے ہیں لگتا ہے اب میرا بلا وہ ہے۔" انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو مخاطب کیا۔

وہ ان کے منہ سے ایسی باتیں سن کر خفا ہو جاتا تھا۔ لیکن شوہر کی طرح ان کا وجدان بھی سچا ثابت ہوا۔ ایک رات وہ سو رہے تو کچھ کا سو رہے دیکھ پائیں ان کی اولاد کی تو گویا دنیا ہی تاریک ہو گئی۔ دل کو اطمینان صرف اس امر سے ہوتا کہ ماں آخری سے ان سے بہت خوشگوار اور اس کے لبوں پر ان کے لیے دعائیں ہی دعا میں تھیں۔

☆☆☆

"آئی امی اس گھر سے میری اور آپ کی سہری یادیں جڑی ہیں لیکن زندگی کی سچ حقیقتیں ہمارے جذبات و احساسات کی پروا کب کرتی ہیں۔ میں نے کراچی میں گھر خریدنا ہے میری اولاد کی نوکری و جہ سے ظاہر ہے ہمارے بچوں کا مستقبل بھی وہیں ہے میں امی، ابو والا گھر بچ کر آپ کو آپ کا حصہ دینا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے مجھے آپ کی اجازت درکار ہے۔"

بچہ اور لائبہ کرائے کے گھر سے جان چھڑانا چاہتے تھے اس لیے بچہ نے جی کڑا کر کے حنا سے آبائی گھر بچنے کی اجازت مانگی تھی۔ پاپی بانی جوڑنے کے باوجود کراچی جیسے شہر میں اچھی رہائش گاہ حصول ممکن ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اتنا خرمنند ہو کر گھر فروخت کرنے کی اجازت کیوں مانگ رہے ہو بچہ، یہ تمہارا حق ہے، لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم بے اپنا حصہ لینے کے بجائے مجھیں تمہارے حصے کی رقم ادا کرو۔"

"یعنی آپ یہ گھر خریدنا چاہتی ہیں۔" بچہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں بچہ! ارسلان وغیرہ سب بھائی اپنا آبائی گھر فروخت کر رہے ہیں۔ سب کے بچے بڑے ہو گئے۔ دو، دو کمروں میں اب کسی کا گزارہ نہیں، اس لیے سب نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر فروخت کر کے اپنا حصہ لیں اور اس میں اپنی جگہ پوچھی شامل کر کے اپنا اپنا مکان خریدیں۔ میں تو تم سے خود اس موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی، یہ علاقہ ہمارا دیکھا بھلا ہے بچوں

یہ گھر جواب حنا کی ملکیت تھا لیکن آج بھی حنا
یہاں آکر اتنا ہی سکون محسوس کرتا جیسے اپنے گھر
لوٹ آیا ہو۔

دوسری قرب و جوار میں ہی مکان خرید رہے ہیں۔
 ارسلان کہتے ہیں گراؤ میں ہی ہم بھائیوں کا علاقہ
 بنایا ہو گا۔ اور پھر کئی بات تو یہ ہے کہ میں اپنی امی
 کو لاکھوں بجٹ سے تعمیر کیا ہوا آستانہ کی فیر کو سوچنے
 کی بات نہیں بنائی۔ اسی لیے یہ فیصلہ کیا کہ گھر
 سے خرید لوں۔ تاکہ کہنے پر پتہ کا چہرہ خوشی سے
 چمکنے لگے۔

لے لے کر کھار ہاتھا۔
 کہیں پسند ہے نا۔ ڈٹ کر کھاؤ۔ میرے بیٹے
 ہاں چندا، بتاؤ کیا بتاؤں
 وہ اپنی پسند نہ تھوپو۔
 جتنا دے دوبارہ بھیجے سے پوچھا۔
 ”اے! آپ اور ماموں سکون سے کھانا
 کھا لیں اس جھوٹی ٹینشن نہ لیں۔ یہ جانے اور ہم
 جائیں۔ جاؤ راحم بائیک کی چابی لے آؤ۔“ فرسٹ
 بڑے کے اسٹوڈنٹ راحم نے بھائی کو یکراں پھر چند کھوں
 کی روہ دونوں اپنے اس جھوٹو کو بائیک پر بٹھایہ جا
 روہ جا۔
 سارا رے تو جھوٹو کے ہاں جی نہ لگتا

آپ مرگئی۔ لائبریری لحاظ سے آئیڈیل لائف پائزر ہے۔ لیکن وہ کیا نکالی ہے، یہ آپ بھی جاننی چاہیے۔
”نیو کے کہنے پر جتانے اسے حوصلہ۔“

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM